بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفہیمُ الکلامِ حضرت سُلطان باھُوؒ

اصلاحی جماعت اولیائے اللہ فقراؒ کی تعلیمات کی ترویج اور نشر و اشاعت کا کام کر رہی ہے اِس لئے اِس جماعت کے صدر صاحبان یعنی مبلغین اکثر اوقات سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا درس دیتے ہیں۔ درس سے متاثر ہو کر اکثر سامعین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف خرید کر گھر لے جاتے ہیں اور اُن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ نکات اُن کی سمجھ میں نہیں آتے تو وہ فرداً فرداً اصلاحی جماعت کے صدر صاحبان سے رابطہ کر کے اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کی اِس عمومی اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے بانیٔ اصلاحی جماعت سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرّہٗ العزیز کی اجازت سے زیرِ نظر رسالہ لکھا گیا ہے۔ اِس رسالہ میں حتی الوسع اُن تمام امور سے بحث کی گئی ہے جن سے قاری عموماً اُلجھتا ہے۔

اولیائے اللہ فقراؒ کی تصانیف کا مطالعہ انسان کے اندر بصیرت و فراست پیدا کرتا ہے جس سے صاحبِ مطالعہ کے ایمان میں گہرائی و وسعت پیدا ہوتی ہے اور اُسے حکمت و معرفتِ توحید تک دسترس حاصل ہوتی ہے۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب یا رسالے کا مطالعہ قاری کے اندر اِن مقاصد کے حصول کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

درحقیقت انسان تین قسم کے ہیں: (1) طالبانِ دنیا کہ جن کا مقصد دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے اور وہ اِسی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ (2) طالبانِ عقبٰی کہ جن کا مقصد اخروی زندگی کو خوشحال بنانا ہے اِس لئے وہ زہد وریاضت اختیار کر کے اُس کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ (3) طالبانِ مولیٰ کہ جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کے انوارِ جمال کا مشاہدہ اور اُس کے قرب ووصال کا شرف حاصل کرنا ہے اور وہ اُسی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اِن تین گروہوں کے مراتب کے بیان میں فرمایا گیا ہے :- " طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ وَّ طَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ وَّ طَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ "۔
ترجمہ :- " طالبِ دنیا مخنث ہے، طالبِ عقبٰی مؤنث ہے اور طالبِ مولیٰ مذکر ہے۔"

بنیادی طور پر سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہر کتاب طالبانِ مولیٰ کی تعلیم وتربیت کے لئے لکھی ہے اِس لئے اے صاحبِ مطالعہ اُن کی کتب کے مطالعہ کے دوران کئی مقامات ایسے بھی آئیں گے کہ جہاں آپ اُلجھ سکتے ہیں، کئی مقامات پر آپ کے ایمان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے اور کئی مقامات پر آپ انکار کی راہ اختیار کر کے ہدایت وسلامتی سے محروم ہو سکتے ہیں اِس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ ایک رسالے کی صورت میں کچھ ضروری معلومات جمع کر دی جائیں جن کی مدد سے حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ عارفوں کے امام ہیں اِس لئے آپ شریعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہٹ کر کوئی بات کرتے ہی نہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں (1):-

ہر مراتب از شریعت یافتم   پیشواء خود شریعت ساختم

ترجمہ :-" مَیں نے ہر مرتبہ شریعت کی پیروی سے پایا اور شریعت ہی کو مَیں نے اپنا پیشوا بنایا۔"

(2) " شریعت سے ہٹ کر جو راہ بھی ہے وہ کفر و زندقہ کی راہ ہے۔"

(3) ہیچ تالیفی نہ در تصنیفِ ما
ہر سخن تصنیفِ ما را از خدا
علم از قرآن گرفتم و ز حدیث
ہر کہ منکر می شود اہل از خبیث

ترجمہ :-" ہماری تصانیف میں کوئی تالیف نہیں۔ ہماری تصانیف کا ہر سخن الہامِ خداوندی ہے۔ مَیں نے ہر علم قرآن و حدیث سے پایا ہے لہٰذا میری تحریر کا انکار کرنے والا قرآن و حدیث کا منکر ہے اِس لئے وہ پکا خبیث ہے۔"

پس آپ کی تصانیف کی تمام تعلیم قرآن و حدیث کی تعلیم ہے لیکن آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو اِس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کے ذہن میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صرف وہ مفاہیم و معانی ہوں گے جو علمائے ظاہر نے بیان فرمائے ہیں اور آپ قرآن و احادیث کے اُن معانی اور مفاہیم سے بے خبر ہوں گے جو عارف باللہ فقراء نے بیان فرمائے ہیں مثلاً قرآن مجید کی آیات :(1) "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ" کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں فرمایا ہے :-" پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کی آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔" لیکن علمائے باطن یعنی عارفانِ باللہ فقراء نے اِس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے :-" ہمارے

پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اپنا قرب ووصال عطا فرما، آخرت میں بھی اپنے قرب و وصال میں رکھنا اور ہمیں آتش ہجر وفراق کے عذاب سے محفوظ رکھ۔"

(2)"وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ "(پارہ۲۷،الذاریات ۵۶) کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں فرمایا ہے:۔"اور مَیں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لئے۔" جب کہ علمائے باطن نے اِس کا ترجمہ اِس طرح بیان کیا ہے:۔" اور مَیں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی معرفت اور قرب و وصال کے لئے۔"

(3)"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ " (پارہ۴،آل عمران۱۰۴) کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے:۔ " اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، اُنھیں نیکی کا حکم کرے اور اُنھیں برائی سے روکے۔ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔" لیکن عارفوں نے اِسے یوں بیان فرمایا ہے:۔" اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قرب و وصال کی دعوت دے، اُنھیں معرفتِ حق تعالیٰ کی تلقین کرے اور اُنھیں گمراہی کی ظلمت سے نکالے۔ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔"

(4) " اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ " کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے:۔" الٰہی! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" جب کہ عارف باللہ فقرا نے اِس سے یہ مراد لی ہے:۔" الٰہی! ہم تیری معرفت اور قرب ووصال کے طالب ہیں اِس لئے ہمیں چشمِ بینا عطا فرما تا کہ ہم تیرا دیدار کر

سکیں۔" یا یوں کہ :۔" الٰہی! ہم تیری معرفت اور قرب و دیدار چاہتے ہیں اس لئے ہمارے دلوں سے حجابات دُور کرنے میں ہماری مدد فرما۔"

(5)" الٓمّٓ ج ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ج فِیْہِ ج ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o لا الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ " کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے :۔" الٓمّٓ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔اس میں ہدایت ہے اُن پرہیز گاروں کے لئے جو بن دیکھے اللہ کو مانتے ہیں۔" جب کہ عارف باللہ فقراُ نے اِس کا ترجمہ اِس طرح کیا ہے :۔" الٓمّٓ (حقیقتِ انسانیہ)وہ کتاب ہے جو ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔یہ کتاب ہدایت بخشتی ہے اُن پرہیز گاروں کو جو عالِم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔"

(6)" اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ o لا فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ o لا لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ " کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے :۔"بے شک یہ قرآن ہے عزّت والا،لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب کے اندر،اِسے بغیر وضو کے مت چھوئیں ۔" جب کہ عارف باللہ فقراُ نے اِس کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں :۔" بے شک یہ قرآنِ کریم ہے جس کا ایک نوری وجود بھی ہے جو ایک مخفی کتاب کے اندر محفوظ ہے ۔اُسے نہیں چھو سکتے مگر پاک وطیب لوگ۔"

(7)" اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ " (پارہ ۳،البقرہ ۲۵۷) کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے :۔" اللہ مدد گار ہے ایمان والوں کا ،نکالتا ہے اُن کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔" جب کہ عارف باللہ فقراُ نے اِس کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں :۔ " اسم اَللّٰہُ مومنوں کا ایسا دوست ہے جو اُنھیں ظلمات سے نکال نورِ توحید ذات میں لے آتا ہے۔"

(8) " كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ○ ج فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ○ م فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○لا مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○لا بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ○ لا كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○ ط " کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے :-" یوں نہیں! یہ قرآن تو نصیحت ہے، جو کوئی چاہے اِسے پڑھے۔ قرآن تو وہ ہے کہ جس کی آیات آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے اوراق میں لکھی ہوئی ہیں اور انھیں اُن پاک و صاف کاتبوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے جو بڑے درجے والے نیکوکار ہیں۔" جب کہ عارف باللہ فقراُ نے اِس کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں :-" خبر دار! تحقیق یہ قرآن ذکر کی دعوتِ عام ہے۔ جس کا جی چاہے اِس دعوتِ عام میں شامل ہو جائے۔ اِس کی نوری تحریر عزت والے بلند و پاک صحیفوں کے اندر محفوظ ہے جسے عزت والے پاک فرشتوں نے لکھا ہے۔"

اِسی طرح احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معانی و مفاہیم بھی علمائے ظاہر اور علمائے باطن مختلف بیان فرمائے ہیں مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان:

(1) " اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ " کا ترجمہ علمائے ظاہر نے یوں بیان فرمایا ہے :-"اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔" جب کہ عارف باللہ فقراُ نے اِس کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں :-"اللہ کی عبادت اُسے دیکھ کر کیا کرو، وہ ایسے کہ اگر تم اپنی ہستی مٹا دو تو تم اُسے دیکھو گے اور وہ تمھیں دیکھے گا۔"

(2) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان :-" اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ " کا ترجمہ علمائے ظاہر

نے یوں بیان فرمایا ہے:-" الٰہی! مجھے زندگی میں مسکین بنا دے، مجھے موت بھی مسکینوں والی دے اور میرا حشر بھی مسکینوں کے زمرے میں ہو-" یہاں وہ مسکین کے معنی مفلس و نادار کرتے ہیں جب کہ عارف باللہ فقراً مسکین کے معنی "ساکن مع اللہ" کرتے ہوئے اِس فرمان کی معنی یوں کرتے ہیں:-"الٰہی! مجھے زندگی بھر اپنی معیت میں رکھ، موت کے وقت بھی تیری معیت حاصل رہے اور حشر میں بھی تیری معیت کا شرف حاصل رہے-" پس معلوم ہوا کہ:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّاں کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ عارفوں کی کتب کے مطالعے کے دوران اپنے ذہن کو ہر قسم کے گروہی نظریات وعقائد سے پاک رکھ کر اُن کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں-سُلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ تحریر قرآن مجید کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے اگر اُن کی کتب کے اصل فارسی متن کو پڑھا جائے تو ایک عجیب سی لذت وسرور کا احساس ہوتا ہے لیکن اگر اُس کا ترجمہ کیا جائے تو ترجمہ میں وہ رُوح قائم نہیں رکھی جا سکتی جو اصل متن میں موجود ہے-اُن کی تحریر کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں-

(1)"ایں تصنیف نہ از علمِ وارد ات است و نہ از اِبتداءِ نفی اثبات است، از ذات است کہ باذات است، حیات است کہ

باحیات است،نجات است کہ بانجات است،از قرآن ناسخ آیات است کے باآیات ازاں درجات است-"(نُورالہُدیٰ کلاں)

(2) "بدان کہ در راہِ باطن حجا بہابسیار و آفات و رنج بیشمار است،بعضی حجاب از سُکر صحو قبض بسط نُورانی و بعضی حجاب نفسانی و بعضی حجاب از فرشتہ گانِ مکانی و بعضی حجاب از خَلق نادانستگی و نادانی-"(نُور الہدیٰ)

(3) "فقیر نیز چہار قسم است: صاحبِ حیرت حیران، صاحبِ جُرم گریان، صاحبِ عشق جان بُریان و صاحبِ شوقِ قلب ذکر وحدت وجد جریان-"(عین الفقر)

(4) "در طریقت بعضی جذبِ طریقت زدہ دیوانہ شدہ اند، در آبِ دریا غرق شدہ مُردہ اند و بعضی جذبِ طریقت خوردہ خفّہ بدرخت گرفتہ مُردہ اند وبعضی روبصحرا درآوردہ بی طعام و آب مُردہ اند" (عین الفقر)

(5) "فقیری درویشی نہ در گفتگو نہ در خواندن و نوشتن مسئلہ مسائل حکایت قصّہ خوانی، فقر دریافت معرفت و محو شدن در توحیدِرحمانی وگشتن از خویش فانی وبیزارشُدن از ہواءِ نفسانی و معصیّتِ شیطانی و بستن لب با ادب زبانی، کردن غیرنسیانی و نگہداشتن جوہرِذکرپاس انفاس جسمانی جانی،صاحبِ شریعت دانش و بینش دُرِّ کانی، غوطہ خوردن درلاہُوت لا مکانی توبہ کردن از دیدنِ روءِ اہلِ دنیا ظلمانی"(عین الفقر)

یہ طرزِ تحریر ہو بہو قرآن مجید سے ملتا جلتا ہے۔ ویسے بھی حضرت سلطان العارفینؒ کی کتابیں اِلہامی ہیں اِس لئے اُن کے کلام کا ترجمہ کرتے ہوئے کوئی لاکھ جتن ہی کرلے، اُس میں موجود لطیف مطالب کو اُجاگر نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ عمیق و دقیق مطلب و مفہوم ترجمہ سے ظاہر کرسکتا ہے جو مصنف کے مدِّنظر ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی اِس "ناممکن" کو "ممکن" کر دکھائے لیکن مَیں خود کو اِس معاملے میں معذور سمجھتا ہوں کہ بقول مصنف: " عارف دی گل عارف جانے کیا جانے نفسانی ھُو۔" سلطان العارفینؒ کے کلام میں ایک اور عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ آپ نے ہمیشہ " ولی اللہ " کو اولیأ اللہ، عالِم کو علمأ، فقیر کو فقرأ، مرتبہ کو مراتب، درجہ کو درجات اور کلمہ طیب کو کلمہ طیبات لکھا ہے۔ مثلاً: "ہر کرا فقرأ است علمأ است، ہر کرا علمأ است بماں اوْلیأ است، ہر کہ اوْلیأ است پیوستہ باخدا است، علمأ طالبِ علم است و فقرأ طالبِ مولیٰ است۔" (عین الفقر)

اپنی تصانیف میں سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ نے تمام بحث طالبانِ دنیا، طالبانِ عقبیٰ اور طالبانِ مولیٰ کے معاملات سے کی ہے۔ آپ کی نگاہ میں عوام طالبانِ دُنیا ہیں، خواص یعنی علمأ، عابد، زاہد اور متقی پرہیز گار طالبانِ عقبیٰ ہیں اور خاص الخاص یعنی انبیأ و اولیائے اللہ فقرأ طالبانِ مولیٰ ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں جہاں بھی انبیائے کرام کا ذکر کیا ہے اُنہیں بطور طالبِ مولیٰ معلم پیش کیا ہے، آپ نے اُن کے مراتبِ نبوت سے بحث نہیں کی بلکہ ہمیشہ اُن کے مراتبِ طالبِ مولیٰ اور مراتبِ ولایت سے بحث کی ہے۔ مثال کے طور پر آپ رقم طراز ہیں: " یہ فقیر باھُو کہتا ہے کہ فقیر چار قسم کے ہوتے ہیں: (1) ایک وہ کہ جن کا ظاہر پریشان مگر

باطن آراستہ ہوتا ہے جیسے کہ خضر علیہ السلام۔ (2) دوسرے وہ کہ جن کا ظاہر آراستہ مگر باطن پریشان جیسے کہ مُوسیٰ علیہ السلام۔ (3) تیسرے وہ کہ جن کا ظاہر بھی آراستہ اور باطن بھی آراستہ جیسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (4) چوتھے وہ کہ جن کا ظاہر بھی پریشان اور باطن بھی پریشان جیسے بلعم باعور۔"

اِس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاً اور رسول بنیادی طور پر طالبانِ مولیٰ ہیں جو مرتبۂ ولایت ہے اور اِس کے بعد نبی یا رسول ہیں کیونکہ ازل کے دن اللہ تعالیٰ کے رُوبرو کچھ لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہوکر طالبِ دنیا بنے، کچھ نعمائے عقبیٰ کی طرف متوجہ ہوکر طالبِ عقبیٰ بنے اور کچھ لوگوں نے نہ تو دُنیا کی طرف توجہ کی اور نہ ہی عقبیٰ کی طرف دھیان دیا بلکہ دیدارِ حق تعالیٰ میں محو رہ کر طالبِ مولیٰ بنے رہے۔ اُنہی میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کی ذمہ داری سونپی اور اُنھیں نبی ورسول بنایا اور بعض کو تلقین وارشاد کی ذمہ داری سونپی اور اُنھیں مرشد بنایا۔ انبیاً واولیائے اللہ فقراً کی ذمہ داریوں میں فرق یہ ہے کہ انبیائے کرام کو تمام اُمتیوں کی تعلیم وتربیت اور راہنمائی کا فریضہ سونپا گیا ہے یعنی اُن کے ذمے طالبانِ دنیا، طالبانِ عقبیٰ اور طالبانِ مولیٰ کے تمام گروہوں کی راہنمائی تھی اِس لئے وہ ظاہری تعلیم بھی دیتے رہے اور باطنی تعلیم بھی دیتے رہے لیکن انبیائے کرام کے بعد اُن کی تعلیم وتربیت کا ظاہری شعبہ یعنی علمِ شریعت کی تعلیم وتربیت علما کے ذمہ کی گئی اور باطنی شعبہ یعنی علمِ طریقت وحقیقت و معرفت کی تلقین وتعلیم کو اولیائے اللہ فقراً کے حوالے کیا گیا۔ گویا اولیائے اللہ فقراً کے پاس طالبانِ مولیٰ کی تعلیم وتربیّت کی ذمہ داری ہے۔

لوگوں کی تعلیم وتربیت کے دوران انبیائے کرام کا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ وہ

جب طالبانِ دنیا کو شریعت کے مطابق دنیوی امور کی تعلیم فرماتے تھے تو اُنہی کی سطح پر آکر عملی سبق فرمایا کرتے تھے ایسے موقع پر وہ عام پاکباز آدمی کی طرح نظر آتے ہیں اور عوام سمجھتے ہیں کہ وہ ہم جیسے ہیں اور ہمیں میں سے ہیں، اگر وہ اِس طرح پاکیزہ زندگی گزار سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں گزار سکتے ؟اِس لئے عام لوگ خوشی سے اُن کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور جب وہ طالبانِ عقبیٰ کو شریعت کے مطابق اُخروی امور کی عملی تعلیم دیتے ہوئے اُنہی کی سطح پر ایک عابد زاہد متقی اور پرہیز گار آدمی نظر آتے ہیں تو طالبانِ عقبیٰ اُنہیں خود میں سے اور خود جیسا سمجھتے ہیں اور زہد وریاضت میں اُن جیسے اعمال کرنے میں دقت محسوس نہیں کرتے اور اُن کی پیروی میں فخر محسوس کرتے ہیں اِسی طرح جب وہ طالبانِ مولیٰ کو شریعت کے مطابق قربِ الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں تو طالبِ مولیٰ کی استعداد اور مرتبے کے مطابق اُسی کی سطح پر آکر عملی اسباق دیتے ہیں جس سے طالبِ مولیٰ اُنہیں خود جیسا طالبِ مولیٰ سمجھنے لگتا ہے اور اُسے اُن کی پیروی کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی اور وہ خوشی خوشی اُن کی پیروی کرتے ہوئے قربِ الٰہی کے مراتب طے کرتا جاتا ہے۔ انبیائے کرام کی عملی تعلیم وتربیت کا وہ حصہ جو طالبانِ مولیٰ سے متعلق ہے وہ نہ تو طالبانِ دنیا کی سمجھ میں آتا ہے اور نہ علمائے ظاہر اور طالبانِ عقبیٰ کی سمجھ میں آتا ہے اِس لئے کلامِ اِلٰہیہ میں جب طالبانِ مولیٰ کے اسباق آتے ہیں تو غیر طالبِ مولیٰ حضرات اُن کے مفہوم ومعانی کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی شرح میں واضح غلطیاں کر جاتے ہیں مثلاً طالبانِ مولیٰ کو عملی سبق دیتے ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام اللہ سے التجا کرتے ہیں :۔"اِلٰہی مجھے اپنا دیدار کرادے " اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔"اے مُوسیٰ! تُو میرا دیدار نہیں کرسکتا"۔ موسیٰ

علیہ السلام تکرار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تجلی فرماتا ہے، موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو جاتے ہیں اور ہوش میں آنے کے بعد معافی مانگتے ہیں تو اِس واقعہ کو پڑھ کر غیر طالبِ مولیٰ آدمی ہمیشہ یہی نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہی نہیں۔ یہ قیاس آرائی اتنی خطرناک ہے کہ اِس نتیجے میں آدمی کے دل سے طلبِ الٰہی ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جب دیدارِ الٰہی ہی ناممکن تصور کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلے گا کون؟ اگر دنیا میں دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو قرآن مجید میں وارد نہ ہوتا:- ''وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی'' ترجمہ:- ''جو یہاں دُنیا میں (دیدارِ الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی (دیدارِ الٰہی سے) اندھا رہے گا۔'' اور ہمارے دین میں کلمہ شہادت ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔'' نہ ہوتا کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسُول ہونے کی شہادت ہے اور شہادت مشاہدے کے بغیر جھوٹی ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی دید ہی ممکن نہیں تو شہادت کیسی؟

یاد رکھیں کہ یہ معاملہ طالبانِ مولیٰ کی تعلیم کا سبق ہے جسے صرف طالبانِ مولیٰ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نبی ہمیشہ ''حق الیقین'' کے مرتبے کا حامل ہوتا ہے جو ''عین الیقین'' کے مرتبے سے بہر صورت افضل و اعلیٰ درجہ ہے۔ ''عین الیقین'' دیدار اور مشاہدے کا درجہ ہے جبکہ ''حق الیقین'' تحقیقِ حق کا درجہ ہے جو مرتبۂ ''عین الیقین'' سے بہر حال افضل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ''حق الیقین'' کے مرتبے پر فائز ہیں تو اُنھوں نے ''عین الیقین'' کے کمتر درجے کا سوال کیا ہی کیوں؟ اور اگر اُنھوں نے

یہ سوال کر ہی دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اِسے ناممکن کیوں کہا؟ دراصل معاملہ یہ ہے کہ خلق کے تینوں طبقات " ناسوت ،ملکوت اور جبروت " بندے اور خدا کے درمیان حجاب ہیں- اِن حجابات کے ہوتے ہوئے دیدارِ الٰہی ناممکن ہے- طالب اللہ جب باطن میں سیرِ اِلی اللہ کرتا ہوا قربِ الٰہی کی طرف پڑھتا ہے تو خلق کے آخری مقام سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر دیکھتا ہے کہ وہ صفاتِ الٰہی کا تمام مشاہدہ کر چکا ہے، اب ذاتِ اِلٰہی کا مشاہدہ باقی رہ گیا ہے تو وہ عجلت میں آ کر پکار اٹھتا ہے :- "اِلٰہی مجھے اپنا دیدار کرا دے-" دیدارِ الٰہی چونکہ مقامِ خلق میں ہو نہیں سکتا کہ یہ شرف مقامِ خلق سے آگے مقامِ لاھُوت میں پہنچ کر حاصل ہوتا ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے " لَنْ تَرَانِی" یعنی تُو مجھے نہیں دیکھ سکتا کا جواب آتا ہے لیکن طالب تکرار پر اُتر آتا ہے اِس لئے موسیٰ علیہ السلام بطورِ معلّم اُسے عملی سبق دیتے ہوئے سمجھا رہے ہیں کہ یہ مقام دیدارِ الٰہی کا نہیں ہے اِس لئے یہاں دیدارِ الٰہی کا تقاضا نہ کر، اگر کرے گا تو اِس کا نتیجہ تیری طلب کے مطابق نہ ہو گا- میری طرف دیکھ مَیں تجھے اِس کا نتیجہ دکھاتا ہوں چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہو کر دیدارِ الٰہی کا تقاضا کرتے ہیں اور اُس کے نتائج طالبانِ مولیٰ کو دکھاتے ہیں-

اِسی طرح ابراہیم علیہ السلام طالبانِ مولیٰ کو باطن میں پیش آنے والے اُن انوار و تجلیات کی نوعیت کے بارے میں عملی طور پر بتاتے ہیں جو طالب اللہ کو راہِ سلوک میں مختلف مقامات پر پیش آتے ہیں اور ہر بار طالب اُنھیں انوارِ ذاتِ الٰہی سمجھ کر پکار اُٹھتا ہے :- "اَب مَیں نے اپنے ربّ کو پالیا ہے-" قرآن مجید نے طالبانِ مولیٰ کے اِس سبق کو یُوں بیان فرمایا ہے :- "جب رات چھا گئی تو ابراہیم نے ایک تارا دیکھا تو بولے؟ یہ میرا ربّ ہے، پھر جب وہ ڈوب گیا تو بولے ڈوبنے والے مجھے پسند نہیں،

پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تو بولے: یہ میرا ربّ ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو بولے: اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ کرتا تو مَیں بھی گمراہوں میں سے ہو جاتا، پھر جب سورج کو جگمگاتے دیکھا تو بولے: یہ میرا ربّ ہے، یہ تو اُن سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا! اے میری قوم! مَیں بیزار ہوں اُن چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، مَیں نے اپنا رُخ اُس کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان بنائے، اُسی ایک کا ہو کر اور مَیں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' یہ آیات بھی طالب اللہ کے باطنی مشاہدے کی روئیداد ہے کہ طالب اللہ جب باطن میں منازلِ سلوک طے کرتا ہوا مختلف مقامات و منازل سے گزرتا ہے تو وہ کئی طرح کی تجلیات کو دیکھتا ہے۔ مقامِ ناسوت میں جب طالب اللہ پر تجلیٔ نفس وارد ہوتی ہے تو اُسے اعمالِ صالحہ کے انوار ستارے کی مانند نظر آتے ہیں جنھیں وہ ذاتِ الٰہی کے انوار سمجھ کر پکار اُٹھتا ہے:۔" ھٰذَا رَبِّیْ" (یہی میرا ربّ ہے) لیکن کچھ عرصہ بعد جب وہ ترقی کر کے اِس مقام سے آگے بڑھتا ہے تو انوارِ اعمال و افعال کی تجلی معدوم ہو جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ معدوم ہونے والے انوار ذاتِ الٰہی کے نہ تھے۔ اِس کے بعد جب وہ مقامِ ملکوت پر پہنچ کر تجلیٔ قلب کو پاتا ہے تو اُسے اسمائے الٰہی کے انوار چاند کی صورت میں چمکتے نظر آتے ہیں اور وہ پھر پکار اٹھتا ہے:۔"ھٰذَا رَبِّیْ "(یہی میرا ربّ ہے) اور جب وہ مزید ترقی کر کے آگے بڑھتا ہے تو یہ تجلی بھی معدوم ہو جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ معدوم ہونے والی تجلی بھی ذاتِ الٰہی کی نہ تھی اور جب وہ عالمِ جبروت میں پہنچتا ہے تو اُس پر تجلیٔ روح وارد ہوتی ہے اور صفاتِ الٰہی کے انوار اُسے سورج کی طرح روشن نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر وہ پھر پکار اٹھتا ہے:۔"ھٰذَا رَبِّیْ" (یہی میرا ربّ ہے) لیکن

جب وہ مزید آگے بڑھتا ہے تو یہ انوار بھی معدوم ہو جاتے ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ انوار بھی ذاتِ الٰہی کے نہ تھے اِس لئے وہ پکار اُٹھتا ہے کہ مَیں اِن ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اِس کے بعد جب وہ عالمِ لاھُوت میں پہنچتا ہے تو اُسے ذاتِ الٰہی کے انوار نظر آتے ہیں جو نہ تو زائل ہوتے ہیں اور نہ ہی معدوم ہوتے ہیں اور وہ تحقیق کر لیتا ہے کہ یہ تجلیات ذاتِ الٰہی کے انوار کی ہیں۔اِس واقعہ کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ طالبِ مولیٰ کو راہِ معرفت میں پیش آنے والے باطنی خطرات سے باخبر کر دیا جائے تا کہ وہ باطن میں راستے کی کسی منزل پر رک کر مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے:۔" اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَاءِ" ترجمہ:۔" کسی مقام پر ساکن ہو کر رک جانا اولیائے اللہ کے دلوں پر حرام ہے۔" قرآن مجید میں جہاں بھی انبیائے کرام طالبانِ مولیٰ کو باطنی سلک سلوک کے عملی اسباق دیتے ہوئے دکھائے گئے ہیں اُن کو سمجھنے میں علمائے ظاہر سے ہمیشہ سہو ہوا ہے کیونکہ اُنہوں نے انبیائے کرام کے مرتبۂ طالبِ مولیٰ کو نظر انداز کر کے صرف اُن کے مرتبۂ نبوت کو مدِّنظر رکھا ہے۔حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف میں جہاں بھی کسی نبی کا نام آیا ہے وہاں اُن کی ذات یا اُن کا مرتبۂ نبوت مُراد نہیں ہے بلکہ طالبانِ مولیٰ کا وہ مرتبہ مُراد ہے جس پر وہ کسی طالبِ مولیٰ کا کردار ادا کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں،اگر آپؒ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے وقت یہ نکتہ مدِّنظر رہے تو کوئی اُلجھن پیدا نہیں ہوتی۔

اب سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے چند باتیں بطورِ نمونہ پیش کر کے اُن کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ قارئین کرام کی اُلجھنیں دُور ہو سکیں۔

(1) آپ نے اپنی کتاب "عین الفقر کلان" میں سیّدنا شیخ محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یوں رقم فرمایا ہے :- "**مَنْ اَرَادَ الْعِبَادَةَ بَعْدَ حَصُوْلِ الْوَصُوْلِ فَقَدْ کَفَرَ وَ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ**" - ترجمہ :-"جس نے حصول الوصول کے بعد عبادت کا ارادہ بھی کیا تو بے شک اُس نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا-" اب اِس تحریر کو جب کوئی غیر طالبِ مولیٰ آدمی پڑھے گا تو وہ ضرور سوچے گا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر تو کسی کو وصالِ الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا، انھوں نے تو کبھی عبادت ترک نہیں کی، نہ کسی اور نبی نے عبادت کو ترک کیا اور نہ کسی صحابی نے ایسا کیا تو اُن کے بعد یہ کب روا ہوسکتا ہے؟ لیکن طالبِ مولیٰ خوب جان لیتا ہے کہ حضور غوث پاک کا یہ فرمان اِنسان کے باطن سے متعلق ہے کہ اِنسان جب باطن میں مشاہدۂ انوارِ ذات میں غرق ہوتا ہے تو اِستغراق کی اِس حالت میں اُس پر حالتِ سکر وارد ہوتی ہے اور اِنسان ظاہری عبادت کرنے سے قاصر ہوتا ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حالتِ سکر میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے-ویسے اِس کا اطلاق اِنسان کے ظاہر پر ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ اِنسان کے ظاہر کا دُنیا میں جب تک وجود قائم رہتا ہے اُس پر شریعت کے احکام ہر حال میں لاگو رہتے ہیں-باطن میں خواہ کوئی کتنے ہی بڑے مرتبے پر فائز کیوں نہ ہو اگر وہ ظاہر میں باہوش ہے تو شریعت سے ذرہ بھر بھی انحراف نہیں کرسکتا ہے ورنہ اُس کا باطنی مرتبہ سلب ہو جاتا ہے- جب اِنسان کا باطن بیدار ہو کر کامل ہو جاتا ہے تو وہ ہر وقت حضوریٔ مولیٰ میں حاضر رہ کر دیدارِ الٰہی میں مستغرق رہتا ہے لیکن اُس کا ظاہری وجود عوام میں گھل مل کر اپنے فرائض انجام دیتا رہتا ہے اور وہ احکامِ شریعت کا مکلّف رہتا ہے جیسے کہ ایک

سونے والے آدمی کا ظاہری جسم بظاہر آرام کر رہا ہوتا ہے لیکن اُس کا باطن خواب کی حالت میں بھی محوِ کار رہتا ہے۔ باطن میں جب اِنسان کامل ہو کر واصل باللہ بقا باللہ ہو جاتا ہے تو اُس کی عبادت صرف دیدارِ الٰہی ہوتی ہے، اِس سے کم درجے کے متعلق اُس کا سوچنا ہی باطن میں اُس کا کفر و شرک ہوتا ہے البتہ اُس میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے کہ جتنا اُس کا باطن ہوشیار ہوتا ہے اُتنا ہی اُس کا ظاہر بھی ہوشیار ہوتا ہے اور وہ اعمالِ شریعت کی مکمل پابندی کرتا رہتا ہے۔

(2) "عین الفقر" ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک فرمان اِن الفاظ میں درج ہے:۔ "لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا شَیْخَ لَهٗ۔" ترجمہ:۔ "اُس کا دین ہی نہیں جس کا مرشد نہیں۔" یہ حدیث مبارک بھی بظاہر بہت چونکا دینے والی ہے کہ آدمی سوچ سکتا ہے کہ مَیں پکا مسلمان ہوں، مجھے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت ہے، مَیں احکامِ شرع کا بھی پابند ہوں اور اعمالِ صالحہ میں بھی کوشش کرتا ہوں لیکن اگر مَیں نے ابھی تک مرشد کا وسیلہ نہیں پکڑا تو کیا مَیں بے دین ہوں؟ اِس طرح کی سوچ سے اکثر حضرات اِس کو ماننے سے انکار کر دیں گے کیونکہ دین کے مروجہ معنی اعمالِ شریعت تک محدود ہیں لیکن عارف باللہ فقراء کی نظر میں دین کے معنی اِس سے اگلی منزل "قربِ الٰہی اور مشاہدۂ انوارِ ذات" ہے، اُن کی نظر میں اِس حدیث کا ترجمہ یوں ہے:۔ "جس کا مرشد نہیں وہ قربِ الٰہی اور مشاہدۂ انوارِ ذات کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتا۔"

(3) "عین الفقر" ہی میں سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر یوں درج ہے:۔ "جب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اِس مقام پر پہنچے

تو فرمایا:-" سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ-" ترجمہ:-"الٰہی! تیری ذات پاک ہے-مَیں تیری عبادت اِس طرح نہیں کرسکا جس طرح کہ تیری عبادت کا حق ہے اور تیری معرفت اِس طرح حاصل نہیں کرسکا جس طرح کہ تیری معرفت کا حق ہے-" پس معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی خام ہے-اِس سے آگے بڑھ کے مقامِ لاتخف پر پہنچنا چاہیے جس کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:- "خبردار! اولیائے اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم-"

اِس تحریر میں بھی باطن کے ایک مرتبے کے متعلق بتایا گیا ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طالب اللہ کو اُس مرتبے کے آداب سکھا رہے ہیں کہ زہد و ریاضت کے دوران اکثر اوقات طالب اللہ کا نفس اُس کو زک پہنچانے کی خاطر اُس کے دل میں یہ احساس اُبھارتا ہے کہ تیرے جیسی عبادت و ریاضت اور کسی نے نہ کی ہوگی-اِس عبادت و ریاضت بارگاہِ الٰہی میں تیری بڑی قدر و منزلت ہوگی- جونہی یہ احساس طالب کے دل میں اُبھرتا ہے اُس کی عبادت و ریاضت ضائع و برباد ہو جاتی ہے اور اللہ پاک کے دفاتر میں اُس کی ساری عبادت و ریاضت کو ریاکاری قرار دے کر ردّ کر دیا جاتا ہے اِس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طالب اللہ کو اِس التجا کے ذریعے یہ سبق دے رہے ہیں اللہ پاک کو تیری اِس عبادت و ریاضت کی کوئی ضرورت نہیں-وہ پاک ذات ہے اور تیری عبادت و ریاضت سے بے نیاز ہے-تُو اِس کا گھمنڈ نہ کر بلکہ اللہ پاک کی بارگاہ میں عاجزی اختیار کر کے اپنی عبادت و ریاضت کو ناکافی سمجھ اور عرض کر کہ الٰہی! میری یہ ساری تگ و دو تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہے تاکہ تیرا نفس ذلیل ہو- سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ اِس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے طالب کو سمجھا رہے ہیں

کہ عبادت و ریاضت کے جس مرتبے پر تُو کھڑا ہے وہ ایک خام و ناقص مرتبہ ہے۔ یہاں تُو ہر وقت نفس و شیطان کی زد پہ کھڑا ہے، ہمت کر اور آگے بڑھ کر مقامِ لَا تَخَفْ تک پہنچ جا تا کہ تُو نفس و شیطان کے شر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جا۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام ایک معلم کی حیثیت سے اپنے ذاتی مرتبے سے نیچے آ کر ایک خام طالب اللہ کی سطح پر اُسے اُس کے مرتبے کے مطابق عملی سبق دے رہے ہیں نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنی خاطر آزردہ ہو رہے ہیں۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کردار خالص طالبِ مولیٰ کا کردار ہے۔

(۴) "عین الفقر" میں ایک اور مقام پر یہ الفاظ درج ہیں:۔ "تجلی ہوئی کوہِ طور ریزہ ریزہ ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام گر کر بے ہوش ہو گئے اور تین روز دن رات بیہوش رہے۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔ "اے موسیٰ! مَیں نے نہیں کہا تھا کہ آپ برداشت نہ کر سکیں گے؟ اِس کے بعد فرمان ہوا کہ اے موسیٰ! آپ پر انوارِ تجلی پڑے اور آپ بے ہوش ہو گئے لیکن میرے وہ بندے بھی ہیں جو آخری زمانہ میں اُمتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوں گے۔ مَیں ہر روز اُن کے دلوں پر ہزار بار ایسے انورِ تجلی برساؤں گا لیکن وہ ذرّہ بھر تجاوز نہیں کریں گے بلکہ مزید تجلیات کا تقاضا کرتے ہوئے کہیں گے:۔ "اِشْتِیَاقِیْ وَمُحَبَّتِیْ اِلَی الْحَبِیْبِ" (میرا اشتیاق اور میری محبت اپنے حبیب کے لئے جوں کی توں ہے)۔"

اِس عبارت کو پڑھ کر بظاہر یوں لگتا ہے کہ گویا موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اُمتِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیائے اللہ فقرأ سے کمتر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے وجود میں دیدارِ الٰہی کرنے کی صلاحیت اُن کی نسبت کم ہے لیکن یاد رہے کہ

تمام بنی نوعِ انسان میں انبیائے کرام کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ کسی بھی اُمت کا کوئی ولی اللہ کسی بھی نبی کے مرتبے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں اِس تحریر میں بھی موازنہ طالبانِ مولیٰ کے مراتب کا ہو رہا ہے نہ کہ ایک نبی کا موازنہ کسی ولی اللہ سے۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کا نام ایک سمبل (Symbol) کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہ تذکرہ طالبِ مولیٰ کے اُس باطنی مرتبے کا ہے جہاں طالبِ مولیٰ دیدارِ الٰہی کی خواہش کرتا ہے۔ اُس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے تقاضا شروع کرتا ہے لیکن اُس مرتبے پر دیدارِ الٰہی ممکن نہیں۔ اللہ پاک ایسے طالب کو سمجھاتا ہے کہ تمھارے اِس مرتبے سے وہ مرتبہ بہت آگے ہے جہاں مَیں ہر روز اپنے طالبوں پر ہزار مرتبہ اپنے انوارِ ذات کی تجلیات کرتا ہوں اور ایسے حوصلہ مند طالب اُمتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سے ہیں۔

(5)" عین الفقر" میں اِسی موضوع کو مزید آگے بڑھا کر حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:۔"اُس تجلیٔ عشق کے انوار موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر چمک اُٹھے جن سے آگاہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔"اے موسیٰ! اپنے چہرے پر نقاب ڈال لو۔" موسیٰ علیہ السلام نے اپنے چہرے پر برقع ڈالا تو وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ آپ برقعے پر برقع ڈالتے چلے گئے لیکن ہر برقع جلتا گیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے سونے، چاندی، لوہے، پیتل اور تانبے کے برقعے بھی پہنے لیکن وہ سب جلتے گئے۔ اِس پر فرمانِ الٰہی ہوا:۔"اے موسیٰ! اگر تم ہزار برقع بھی پہن لو تو وہ جلنے سے ہرگز نہ بچیں گے لیکن اگر تم کسی گدڑی پوش عارف باللہ فقیر فنا فی اللہ کی گدڑی کا کوئی چیتھڑا حاصل کر کے اُس کا برقع چہرے پر ڈال لو تو وہ نہ جلے گا۔" پس موسیٰ علیہ

السلام نے ایسا ہی کیا- ایک گدڑی پوش فقیر کے لباس کا ایک ٹکڑا لے کے اُس کا نقاب چہرے پر ڈالا تو وہ نہ جلا- موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی :-"اِلٰہی یہ برقع کیوں نہ جلا؟" فرمان ہوا :-"اے موسیٰ! یہ اُس درویش کی گدڑی کا ٹکڑا ہے جس کے وجود میں تو حیدِ الٰہی کے سوا کچھ ہے ہی نہیں، یہ وہ باخدا فقیر ہے جو ذکر اللہ کے ذریعے خود کو تجلیٔ سرّ میں فنا کیے ہوئے ہے-"

اِس عبارت کو پڑھ کر بھی اِنسان سوچ سکتا ہے کہ آخر وہ درویش کون تھا جس کی گدڑی کا ٹکڑا لے کر موسیٰ علیہ السلام نے برقع بنایا- کیا اُس درویش کا مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے مرتبے سے زیادہ تھا؟

یہاں بھی بات طالبِ مولیٰ کے ایک مرتبے کی ہے جس پر موسیٰ علیہ اُس کے استاد اور معلم کی حیثیت سے اُس کی عملی تربیت فرماتے ہوئے خود ایک طالبِ مولیٰ نظر آتے ہیں- یہاں موسیٰ علیہ السلام سے مراد اُن کی ذات یا اُن کا مرتبۂ نبوت نہیں ہے بلکہ وہ طالبِ مولیٰ مراد ہے جو اُس مرتبے پر فائز ہے-

ایک لطیفہ ہے کہ ایک بچے کو اُس کے والدین نے سکول میں داخل کرایا- جب بچے کو سکول میں پڑھتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تو ایک دن اُس کے والد نے اُس سے پوچھا کہ بیٹا تمھارا استاد کیسا ہے؟ اچھا پڑھاتا ہے؟ تو بچے نے ناگواری سے جواب دیا؟" ہونہہ! اُسے تو کچھ آتا ہی نہیں- وہ تو الٹا مجھ سے پوچھتا ہے کہ چھ دونی کتنے ہوتے ہیں؟ اور مَیں اُسے بتاتا ہوں کہ چھ دونی بارہ ہوتے ہیں- قاعدے پر اُنگلی رکھ کر پوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ اور مَیں اُسے بتاتا ہوں کہ یہ الف آم ہے- یہاں چونکہ بچے کو استاد کے مرتبے اور اُس کی ذمہ داری کی سوجھ بوجھ نہیں تھی اِس لئے وہ

اُس کے مرتبے کونظر انداز کر کے ایک غلط نتیجہ اخذ کر بیٹھا۔اِسی طرح جب ہم انبیائے کرام کے مراتبِ مرشدی ومعلّمی کونظر انداز کر دیتے ہیں اور اُن کی ذات کو مدِّنظر رکھ کر اُن کی تعلیمات کو پڑھتے ہیں تو ہمیشہ غلط نتائج اخذ کر کے کہہ دیتے ہیں :-"اگر نبی علمِ غیب جانتے ہوتے تو ایسا کیوں ہوتا ؟اگر نبی یہ کام کر سکتے تو ایسا کیوں ہوتا ؟اِس طرح کی قیاس آرائیاں کر کر کے ہم ہدایت کی راہ سے بہت دُور نکل جاتے ہیں۔

یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام طالبانِ مولیٰ کے دو مختلف مراتب کا اظہار فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبے پر تو طالب دیدارِ الٰہی کرنے سے قاصر رہتا ہے اور دوسرے مرتبے پر طالب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اُس کا لباس بھی تجلیاتِ ذاتِ الٰہی کو برداشت کر کے جذب کر لیتا ہے۔

اِس سے ملتا جلتا ایک واقعہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پیرہن مبارک جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی نابینا آنکھوں پر لگایا گیا تو اُن کی آنکھوں کی بینائی بحال ہوگئی حالانکہ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے والد بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی بھی ہیں۔ کیا اُن کے اپنے پیرہن میں وہ برکت نہ تھی جو اُن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن میں تھی؟ یقیناً تھی لیکن یہ واقعہ بھی طالبانِ مولیٰ کی تربیت کا ایک سبق ہے۔ جب ایک مرشدِ کامل کسی طالبِ مولیٰ کو قرآن پڑھاتا ہے تو اُس میں پنہاں اسباق سے اُس کی باطنی تربیت بھی کرتا ہے لیکن ظاہر بین حضرات کے لئے یہ محض ایک قصہ ہے جس سے فقط اخلاقیات کا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ایسے واقعات آپ کو

بکثرت نظر آئیں گے جن میں مختلف انبیاؑ کا مقابلہ اُمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عارف باللہ فقراؑ سے کیا گیا ہے اور اُن سب واقعات میں انبیائے کرام کے ناموں سے مراد اُن کی ذات اور مرتبۂ نبوت نہیں ہے بلکہ اُس سے مراد طالب اللہ کا وہ مرتبۂ طلبِ مولیٰ ہے جس کا سبق انبیائے کرام عملی طور پر دیتے نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنی تمام تصانیف میں انبیائے کرام کے مراتب کو طالبانِ مولیٰ معلم کے مراتب کے طور پر پیش کیا ہے نہ کہ انبیائے کرام کے ذاتی مراتب کے طور پر۔

(6) حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی کئی کتابوں میں دو احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نقل کی گئی ہیں جن کو پڑھ کر اِنسان کا ذہن اُلٹ جاتا ہے لیکن اِن احادیث کو بھی اگر مندرجہ بالا تناظر میں دیکھا جائے تو اُلجھن دُور ہو جاتی ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں۔ (1) "اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔" یعنی میری اُمت کے علما بنی اِسرائیل کے انبیاؑ جیسے ہیں۔ (2) "اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ اَفْضَلٌ مِنْ اَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔" یعنی میری اُمت کے علما انبیائے بنی اِسرائیل سے افضل ہیں۔ اِن میں سے پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن مراتبِ باطن کی تعلیم طالبانِ مولیٰ کو بنی اسرائیل کے انبیاؑ عملی طور پر دیتے رہے ہیں وہی تعلیم اب اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے ربانی کے ذمہ ہے اور دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طالبانِ مولیٰ کو جن مراتبِ باطن تک پہنچانے کی ذمہ داری انبیائے بنی اسرائیل کی تھی اُن سے آگے کے مراتبِ باطن تک پہنچانے کی ذمہ داری اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے ربانی کی ہے ورنہ جہاں تک انبیائے بنی اسرائیل کے ذاتی مراتب کا تعلق ہے تو وہ ہر اُمت کے اولیائے اللہ کے مراتب سے بہت ہی ارفع واعلیٰ ہیں اُن تک

کوئی ولی اللہ نہیں پہنچ سکتا۔

(7) حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یوں رقم فرمائی ہے:۔" اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ "۔ ترجمہ:۔"ولایت افضل ہے نبوت سے۔"

اِس حدیث کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی نبی پہلے سے طالبِ مولیٰ ولی اللہ نہ ہوتا تو وہ نبی بھی نہ ہوتا کیونکہ انبیاؑ کا اِنتخاب طالبانِ مولیٰ اولیائے اللہ ہی سے ہوا ہے۔اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ولی اللہ نبی اللہ سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ولایت نبوت کی جڑ ہے۔نبوت درخت ہے اور ولایت اُس کی جڑ ہے اور ظاہر ہے کہ جڑ کو درخت پر فوقیت حاصل ہے۔

(8) سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں آپ کو جا بجا ایسی تحریریں نظر آئیں گی جن میں قادری طریقے کو دوسرے تمام طریقوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔مثلاً:۔(۱)"دوسرے تمام طریقوں کی انتہا قادری طریقے کی ابتدا کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔" (کلیدالتوحید کلاں)

(۲)" اگر تُو صاحبِ عقل ہے تو ہوشیار ہو جا اور کان کھول کر سن لے کہ قادری طریقہ ننگی تلوار کی مثل ہے اگر کوئی حضرت پیر دستگیر محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے طالب مرید سے دشمنی کا دم بھرے گا تو یہ تلوار اُس کا سر تن سے جدا کر دے گی۔ دوسرے ہر طریقے والا خرقہ پوش ہوتا ہے لیکن قادری طریقے والا معرفت و توحیدِ الٰہی کا دریا نوش ہوتا ہے دوسرے ہر طریقے میں سجادگی ہے لیکن قادری طریقے میں فنا فی اللہ

ذات ہو کر نفس سے آزادگی ہے- دوسرے ہر طریقے میں قائم مقام ہے لیکن قادری طریقے میں ہدایت و معرفت و فقر تمام ہے- دوسرے ہر طریقے میں جُبہّ و دستار ہے لیکن قادری طریقے میں مشاہدۂ جمالیّتِ حضور اور شرفِ دیدار ہے، دوسرے ہر طریقے میں وردِ تسبیح ہے لیکن قادری طریقے میں اِستغراقِ وحدت اور نفس ذبح ہے، دوسرے ہر طریقے میں تقلید ہے لیکن قادری طریقے میں توجہ بعین نمائے توحید ہے-" (نُور الہدیٰ کلاں)

(۳) "جان لے کہ طریقۂ قادری بادشاہ ہے اور دوسرے تمام طریقے اُس کی رعیت اور فرمانبردار غلام ہیں..... دوسرے تمام طریقوں میں ریاضت کشی کی آفات ہیں لیکن قادری طریقے میں پہلے روز تصورِ اسم اللہ ذات کے ذریعے استغراقِ فنافی اللہ اور دیدارِ ذات ہے- قادری طریقہ آفتاب ہے اور دوسرے طریقے چراغ ہیں..... طالب مرید قادری نر شیر کی مثل ہے، وہ ہرگز روباہی اختیار نہیں کرتا- طالب مرید قادری بلند پرواز شہباز ہے وہ کبھی چیل کا ہم نشین نہیں ہوتا-" (نُور الہدیٰ)

ایسی تحریریں عام آدمی کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور اُسے بغض و عناد کا شکار کر دیتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ اُن طالبانِ مولیٰ کے لئے راہنما معلومات ہیں جن کے مدِّنظر "اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس" کی منزل ہے- دراصل ولایت کا دارومدار معرفتِ الٰہی کے کمال پر ہے اور معرفتِ الٰہی دو قسم کی ہے- ایک معرفتِ صفاتِ الٰہی اور دوسری معرفتِ ذاتِ الٰہی- معرفتِ صفات دونوں جہان میں بشری جسم کا حصہ ہے اور اُس کا مقام خلق ہے- عالمِ خلق چونکہ ناسوت سے لے کر جبروت تک پھیلا ہوا ہے جس کی آخری حد سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى" ہے- عالمِ خلق کے تینوں طبقات یعنی ناسوت، ملکوت اور جبروت

میں جتنے بھی مقامات ہیں وہ سب مخلوق کے مقامات ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کے مظاہر ہیں۔ عالمِ خلق کو آفاق کہا جاتا ہے۔ معرفتِ صفات کے تمام مقامات کو درجات کہا جاتا ہے اور عارفِ صفات کو صاحبِ درجات کہا جاتا ہے۔ صاحبِ درجات عارف اللہ تعالیٰ کو اُس کی صفات سے پہچانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام بھی ہوسکتا ہے لیکن معرفتِ ذات سے بے خبر رہتا ہے اِس لئے وہ دیدارِ الٰہی کا مشتاق وطلبگار رہتا ہے۔ عارفِ درجات ہونے کی وجہ سے لوحِ محفوظ ہر وقت اُس کے مطالعہ میں رہتی ہے اور تمام مخلوق پر اُسے پورا پورا تصرف حاصل ہوتا ہے اِس لئے اکثر اُس سے کرامات کا ظہور رہتا رہتا ہے اور وہ خلقِ خدا کی مشکل کشائی میں کوشاں رہتا ہے۔ عارفِ درجات چونکہ عالمِ خلق تک محدود رہتا ہے اِس لئے وہ معرفتِ صفات کے جس مرتبے پر بھی فائز ہو وہ نفس وشیطان اور حُبِّ دنیا کے شر کی زد میں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عموماً رجوعاتِ خلق میں گرفتار رہتا ہے۔

معرفتِ ذاتِ الٰہی عالمِ خلق سے آگے عالمِ لاھُوت میں پہنچ کر حاصل ہوتی ہے۔ عالمِ لاھُوت میں انسان اپنی بشریت کے تینوں وجود یعنی ناسوتی وجود، ملکوتی وجود اور جبروتی وجود کو فنا کر کے روحِ قدسی کے لاھُوتی نوری وجود کے ساتھ داخل ہوتا ہے کیونکہ لاھُوت میں مخلوق داخل نہیں ہوسکتی اِس لئے اِنسان جب روحِ قدسی کی حالت میں لاھُوت کے اندر پہنچتا ہے تو نفس وشیطان اور حُبِّ دنیا کے شر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ روحِ قدسی کا تعلق عالمِ خلق سے نہیں بلکہ اُس سے آگے عالمِ امر یعنی عالمِ لاھُوت لامکان سے ہے جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔" قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ "۔ ترجمہ:۔" محبوب! آپ فرمادیں کہ روح میرے ربّ

کے امر میں سے ہے۔" عالمِ لاھُوت میں روحِ قدسی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے اِس لئے روحِ قدسی کی صورت میں اِنسان اللہ تعالیٰ کا بے حجاب دیدار کرتا ہے۔

ذکر فکر، مراقبہ مکاشفہ اور تسبیح وتہلیل اور اعمالِ ظاہری سے فقط معرفتِ صفات حاصل ہوتی ہے جس سے بندہ صاحبِ درجات اور صاحبِ کشف ہوکر دنیا میں شہرت وناموری کماتا ہے اور صاحبِ روضہ وخانقاہ بن جاتا ہے اور لوگوں کی نظر میں صاحبِ کمال وبلند مرتبہ ولی اللہ شمار ہوتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں اُس کے طالب مرید ہوتے ہیں لیکن اہل اللہ کی نظر میں وہ ناقص وخام وناتمام ہوتا ہے کہ وہ ابھی دیدارِ الٰہی اور معرفتِ ذاتِ الٰہی سے محروم ہوتا ہے لیکن تصورِ اسم اللہ ذات، تصورِ اسمِ محمد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تصورِ کلمہ طیبات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے اِنسان ایک ہی دم میں لاھُوت لامکان میں پہنچ کر دیدارِ پروردگار سے مشرف ہو جاتا ہے اور اُسے مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دائمی حضوری نصیب ہوجاتی ہے۔ اِس مرتبے پر پہنچ کر طالب اللہ معرفتِ صفات کے جملہ مقامات ودرجات کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ایسے تمام مقامات ودرجات کو وہ بے وقعت سمجھتا ہے اور دیدارِ الٰہی سے محروم طالبوں کو احمق ونادان سمجھتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف میں جابجا اہلِ درجات اور اہلِ ذات کا موازنہ ومقابلہ کرکے طالبانِ مولیٰ کو آگے بڑھنے کی ترغیب وتاکید فرماتے نظر آتے ہیں مثلاً آپ فرماتے ہیں:۔

(1) "بندے اور قربِ الٰہی کے درمیان تہتر کروڑ تراسی لاکھ اور اکتیس درجات ہیں جن میں سے سب سے بالائی درجے کو سرّ الاسرار کہا جاتا ہے۔ اُس سے

آگے لامکان ہے لیکن فقر کی نظر میں یہ سب مقامات و درجات مچھر کے پر جتنی وقعت بھی نہیں رکھتے۔" (عین الفقر)۔

(2)" اگر تُو ہوا میں اُڑتا ہے تو تُو مکھی ہے اگر تو پانی پر چلتا ہے تو تو تنکا ہے اور اگر تو لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر کے لوگوں کو اُن کی تقدیروں کے احوال بتلاتا ہے تو تُو نجومی ہے۔" (عین الفقر)

(3)"باہجھ وصال اللہ دے یا حضرت باھُو باقی سب کہانیاں قصے ھُو۔"

(4)" اے طالبِ مولیٰ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ معرفتِ توحید، تجرید، تفرید، مجاہدہ، مشاہدہ، ذکر، فکر اور مکاشفہ کا اصل مقصد دل کو زندہ کرنا ہے۔ دلوں کا کشف احمق و دیوانے مجذوبوں کا مرتبہ ہے۔ نفس کا محاسبہ اور کشفِ قبور کا مراقبہ خام آدمیوں کا مرتبہ ہے۔ قبض، بسط، الہام، وہم اور خیال ہجر و فراق کا مرتبہ ہے اور طبقاتِ خلق یعنی ناسوت، ملکوت اور جبروت کی طیر سیر حرص و ہوا کی علامت ہے۔" (کلید التوحید کلاں)

آپؒ اپنی زندگی میں ہمیشہ سیر و سفر میں رہے اور مرشد کی تلاش میں ہر طریقہ کے مشائخ سے ملتے رہے اور اُن کے معمولات کا بغور مطالعہ فرماتے رہے لیکن جسے بھی دیکھا صاحبِ مقامات و درجات ہی پایا، کوئی صاحبِ ذات مرشد اُنھیں نہیں ملا۔ اِس طرح لگاتار تیس سال کی جستجو و تحقیق کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوئی اور اُنہوں نے آپ کو دست بیعت فرما کر شیخ المشائخ محی الدین شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا اور حضور غوث پاک کی بارگاہ میں آپ نے جن مراتب کا مشاہدہ فرمایا اُن مراتب کا حامل کسی دوسرے طریقے کے

شیخ کو نہیں پایا اور اُن طریقوں کے کسی بھی شیخ کو تصورِ اسم اللہ ذات کی تعلیم و تلقین کرتے نہیں پایا حالانکہ تصورِ اسم اللہ ذات کے بغیر معرفتِ ذات تک پہنچنے کا امکان ہی نہیں۔ قادری سروری طریقے کے علاوہ جتنے بھی طریقے ہیں اُن میں طالب کی تربیت سب سے پہلے خلافِ نفس مجاہدہ اور ریاضت سے شروع کی جاتی ہے اور طالب درجہ بدرجہ ترقی کرتے کرتے عالمِ جبروت میں پہنچ کر مشاہدۂ صفاتِ الٰہی میں کمال حاصل کرلیتا ہے تو اُس کے بعد اُسے تصورِ اسم اللہ ذات کا احساس ہوتا ہے لیکن یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہزاروں لاکھوں طالب دنیا سے ہی اُٹھ جاتے ہیں اور وہ تصورِ اسم اللہ ذات سے ناآشنا رہ کر دیدارِ الٰہی اور معرفتِ ذاتِ الٰہی سے محروم اِس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

حضرت بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے چھتیس (۳۶) سال تک اِتنی ریاضت اور مجاہدہ کیا کہ ہر دم روزے سے رہتا، ہزار ہزار نفل روزانہ پڑھتا، جو وظیفہ بھی کیا لاکھوں کی تعداد میں کیا لیکن چھتیس سال بعد جب مجھے اسم اللہ ذات ملا اور مَیں نے اُس کا تصور کیا تو یہ دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا کہ جو کچھ مَیں نے تصورِ اسم اللہ ذات کے ایک ہی دم میں حاصل کیا اُس کے مقابلے میں چھتیس سال کی ریاضت بے وقعت نظر آئی۔" اِسی طرح حضرت خاقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

پس از سی سال ایں معنی محقّق شُد بخاقانی
کہ یک دم باخُدا بُودن بہ از ملکِ سلیمانی

ترجمہ:-" تیس سال کی تحقیق کے بعد خاقانی کو معلوم ہوا کہ دم بھر کو تصورِ اسم اللہ ذات میں مشغول رہنا ملک سلیمانی کے تصرف سے کہیں بہتر ہے۔"

سروری قادری طریقے میں مرشد کامل پہلے ہی روز طالب اللہ کو تصورِ اسم اللہ ذات کی تلقین کرتا ہے جس سے طالب اللہ ریاضت ومجاہدہ کیے بغیر پہلے ہی روز مقامِ خلق سے نکل آتا ہے اور لاھوت لامکان میں پہنچ کر دیدارِ پروردگار سے مشرف ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرے طریقوں میں طالب ریاضت کرتے کرتے زندگی کی انتہا کو پہنچتے ہیں تو تب کہیں جا کر اُنھیں تصورِ اسم اللہ ذات کی اجازت ملتی ہے اور تب وہ واصل باللہ ہوتے ہیں لیکن سروری قادری طریقے میں طالب اللہ کا پہلا سبق ہی تصورِ اسم اللہ ذات ہے جس سے وہ پہلے ہی روز واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ بار بار اعلان فرماتے ہیں:۔ "جہاں دوسرے طریقوں کی انتہا ہے وہاں سے قادری طریقے کی ابتدا ہوتی ہے۔" لہٰذا سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی تحریروں کو محض اُن کا تفاخر سمجھ کر فیصلہ کرنے سے گریز کریں اور اُن کی تعلیمات کو ایک ماہر تعلیم استاد کے اسباق سمجھ کر ہی پڑھیں اور جہاں آپ کو اُلجھن محسوس ہو تو اُسے نوٹ کر کے آگے بڑھ جائیں کہ انشاءاللہ زیرِ مطالعہ کتاب میں کسی اور مقام پر آپ کو اپنی اُلجھن کا جواب مل جائے گا ورنہ آپؒ کی کوئی دوسری کتاب اُس اُلجھن کو دُور کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کے علومِ معرفت ووصال سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَمَا عَلَیَّ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ o

خاکسار:۔ سیّد امیر خان نیازی سروری قادری۔